بات ہے احساس کی

نبیلہ عزیز

"میں تمہیں طلاق دینا چاہتا ہوں۔" بہت دیر بعد اس کی سوالیہ نظروں کے جواب میں جو کچھ سردار گل ہاشم نے کہا وہ خان زادی شہرے کے لیے کسی دھماکے سے کم نہیں تھا۔

اس کے ہاتھوں میں موجود کتاب لرز گئی۔

"خان زادی! تم بلا مبالغہ بہت اچھی ہو ایک انسان کے آئیڈیل سے بھی بڑھ کر ہو اور سب سے..."

"پلیز سردار سائیں اپنے مطلب کی بات کریں بات کی ہیرا پھیری ہمیں اچھی نہیں لگتی۔" اس نے تلخی سے کہتے ہوئے گل ہاشم کو روک دیا۔

"میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جو بندھن ہمارے درمیان ہے وہ کسی کی بھی طرف سے خوشی اور محبت سے نہیں باندھا گیا کیونکہ تم نے اپنے بھائیوں کی عزت غیرت اور انا بلند رکھنے کے لیے ایک ان دیکھے شخص کو قبول کر لیا اور میں نے اپنی بہن کا گھر اجڑنے کے ڈر سے ایک "ان چاہی" لڑکی کو اپنی زندگی میں شامل کر لیا۔"

لفظ ان چاہی پہ اس نے یکدم پلکیں اٹھا کر گل ہاشم کو دیکھا یوں جیسے کہہ رہی ہو کہ سردار سائیں یہ تمہاری ہی جرأت ہے کہ مجھے ان چاہی کہہ رہے ہو ورنہ میری اہمیت میرے بھائیوں سے پوچھو جو تمہیں اس لفظ کی سزا دینے سے بھی گریز نہیں کریں گے۔

"تم بھی مجبور ہو اور میں بھی مجبوری کے تقاضے پورے کر رہا ہوں لیکن میں چاہتا ہوں تم اپنی زندگی اپنی مرضی سے جیو اور میں اپنی مرضی سے جیوں۔"

گل ہاشم بات تو کر رہا تھا لیکن الجھ بھی رہا تھا کہ خان زادی شہرے کے سامنے اپنا مطلب کیسے واضح کرے کہ وہ طلاق کے بعد بھی اس کی مدد بھی کر دے۔

"یہ سب تو آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں لیکن مجھے یہ بتائیں کہ اب آپ اس "ان چاہی" سے کیا چاہتے ہیں؟"

"خان زادی! تم جانتی ہو کہ اگر میں تمہیں طلاق دوں گا تو مہانو کا گھر بھی اجڑ جائے گا۔" وہ مضطرب سے لہجے میں کہتا [illegible] ہو گیا۔

"گویا آپ چاہتے ہیں آپ کی بہن کا گھر نہ اجڑے اور آپ کا دل بھی آباد رہے؟" اس نے کہا تو گل ہاشم نے چونک کر اسے دیکھا۔

"ہاں سردار سائیں میں انجان نہیں ہوں [illegible] کے دل میں کوئی ہے اگرچہ میں پہلے روز سے جان گئی تھی کیونکہ خان زادی شہرے کو نظر انداز کرنا کسی اندھے کے لیے بھی اتنا آسان نہیں تھا جو آپ نے کیا پھر بھی میں آپ کے منہ سے سننا چاہتی ہوں میرے مقابل کوئی اور بھی ہے کیا پوچھ سکتی ہوں [illegible] ہے جس کے سامنے خان زادی شہرے کی ذات [illegible] توجہ نہ ہوئی۔" اس کے لہجے اور انداز کی تمکنت [illegible] کے سامنے آئی۔

"ایسی کوئی بات نہیں میں کسی کو بھی تمہارے مقابل نہیں ٹھہرا سکتا تم بہت اچھی ہو فرق صرف یہ ہے کہ میرا دل اس کی سمت مائل ہے میں اس سے بچپن سے محبت کرتا ہوں میں شادی بھی اسی سے کرنا چاہتا تھا لیکن مہانو کی وجہ سے مجھے اپنا دل مارنا پڑا۔" گل ہاشم نے تیزی سے وضاحت دی کیونکہ اس کے چہرے کے تاثرات بدل رہے تھے۔

"اب آپ اپنا دل زندہ کرنا چاہتے ہیں؟" اس کے سوال پہ وہ خاموش رہا تو وہ اس کے خاموش اعتراف کو فوراً جان گئی۔

"انجام سوچا ہے آپ نے؟"

"انجام سے ہی تو ڈر لگتا ہے خان زادی' پلیز میری مدد صرف تم کر سکتی ہو کیونکہ تمہیں طلاق دینے کی صورت میں مہانو کا گھر تباہ ہو جائے گا اور تمہیں طلاق نہ دینے کی صورت میں میری زندگی تباہ ہو جائے گی۔ میں اپنی محبت حاصل نہیں کر پایا تو کبھی کسی سے محبت کرنے کے قابل نہیں رہوں گا۔ خان زادی یہ سچ ہے کہ میں تم سے محبت کرنے کی کوشش کر چکا ہوں مگر کامیاب نہیں ہو سکا میرے دل میں تمہارے لیے کوئی جذبہ بیدار نہیں ہوا۔ تمہارے ہونے اور نہ ہونے سے میرے جذبات پہ کوئی اثر نہیں ہوتا لیکن اگر میری محبت مجھے نہ ملی تو ہر چیز پہ اثر ہو گا' بلکہ بہت

[illegible] وہ انتہائی شدت سے کہتا اسے کندھوں سے پکڑ چکا تھا۔

"[illegible] طلاق دینا چاہتے ہیں میں آپ کو روک [illegible] لیکن آپ اتنی وضاحتیں کیوں دے رہے [illegible]" گل ہاشم کی آنکھوں میں دیکھا۔

"[illegible] مجھے تمہارے تعاون کی ضرورت ہے۔"

"[illegible] تعاون؟"

"[illegible] اپنے بھائیوں سے کہہ دینا کہ تم خود میرے ساتھ نہیں رہنا چاہتیں میں تمہیں اچھا نہیں لگتا۔"

([illegible] دل آباد کرنے کے لیے اپنے دل کی بربادی کا [illegible] کیوں؟) اس کے دل سے ایک ہوک اٹھی اور [illegible] میں دب گئی۔

"اور پھر؟" اس نے اچانک ہی اپنے ہتھیار ڈال دیے اور ہار مان لی۔ سردار گل ہاشم نے ٹھٹھک کے دیکھا اس کے چہرے کے تمام تاثرات مبہم ہو چکے تھے جن سے وہ کوئی بھی نتیجہ اخذ نہیں کر سکتا تھا۔

"نہیں بس مجھے تمہاری اسی مدد کی ضرورت ہے اور میں اپنے گزشتہ تمام رویوں کی معافی مانگتا ہوں اس کے علاوہ تم اس حویلی سے جو چاہو لے کر جا سکتی ہو۔"

(سردار سائیں! اس حویلی سے تمہارا دل تو میں لے نہیں سکی اور بھلا کیا لوں گی؟) دکھ کی لہر اس کے دل و دماغ میں اٹھ رہی تھی لیکن وہ ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی اور انتہائی آہستگی سے اس کے ہاتھ اپنے کندھوں سے ہٹا دیے۔

"کل آپ کا مسئلہ حل ہو جائے گا میں آپ کو اپنی قید سے آزاد کر دوں گی۔" وہ کہہ کے کمرے سے چلی گئی اور سردار گل ہاشم سرشار ہو اٹھا اب اس کی محبت اس سے دور نہیں تھی۔

☆ ☆ ☆

"ارے میرے جگر کا ٹکڑا آیا ہے مہانو میرا جگر گوشہ آیا ہے۔" خان زادی شہرے اپنی حویلی میں داخل ہوئی تو خان زادہ افراسیاب اسے دیکھ کر دور سے ہی بازو وا کیے قریب آئے تھے شہرے ان کے سینے سے لگ گئی۔ وہ آنسو بہ کر ان کی چادر میں گم ہو گئے۔

"لالا سائیں اتنے دن ہو گئے آپ میری طرف نہیں آئے میں انتظار کرتی رہی۔" وہ ان سے الگ ہوتے ہوئے بولی اتنے میں بھرجائی مہانو بھی قریب آ چکی تھیں۔

"میری شہرے آئی ہے۔" وہ بھی اسے دیکھ کر چہک اٹھی تھیں ان سے گلے مل کر وہ ان کا حال احوال پوچھنے لگی لیکن بھرجائی مہانو کی نظریں گل ہاشم کو تلاش رہی تھیں۔

"ہاشم نہیں آیا؟" انہوں نے پوچھا۔

"آئے تھے مجھے گیٹ تک چھوڑ کے چلے گئے شاید کسی کام کی جلدی تھی۔" وہ نظریں چرا کر کہتی اندر آ گئی سامنے ہی بڑی خان زادی اپنے تخت پہ براجمان تھیں۔

"سلام اماں سائیں۔" قریب آ کر انہیں متوجہ کیا تو اچانک اسے سامنے دیکھ کر واری صدقے ہونے لگیں اور وہ ان سے مل کر سیدھی اپنے کمرے میں آ گئی۔ دروازہ بند کر کے بیڈ پہ گرتے ہی اس کے ضبط کے تمام بند ٹوٹ گئے وہ کل سے نڈھال ہو چکی تھی۔ آنسوؤں کا سیلاب اس کی پوری ہستی کو ڈبو رہا تھا۔

"کتنی آسانی سے اس نے کہہ دیا کہ میں اس کے دل پہ بوجھ ہوں وہ مجھ سے محبت کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا میں ان چاہی ہوں' میں اس کی حویلی سے کچھ بھی لے کر جا سکتی ہوں مگر میں اس کے ساتھ نہیں رہ سکتی اس لیے کہ میں اسے اچھی نہیں لگی' میرے لیے اس کے دل میں کوئی بھی جذبہ بیدار نہیں ہو سکا' میرے ہونے نہ ہونے سے اسے کوئی فرق نہیں پڑتا' وہ مجبوری کے تقاضے پورے کر رہا تھا اسے ہر چیز کی فکر تھی اسے مہانو کا گھر اجڑنے کا خدشہ تھا اسے اپنی زندگی تباہ ہونے کی فکر تھی اسے میرے دل کی بربادی کا خیال کیوں نہیں آیا؟ اسے میری ہستی خاک میں ملانے سے خوف کیوں نہیں آیا؟ اسے میرا خیال بھی کرنا چاہیے تھا اسے کسی اور کے دل کا خیال تھا۔ اسے اپنے دل کا خیال تھا۔ اسے میرے دل کا خیال

کیوں نہیں آیا۔

وہ تکیے چہرے پہ رکھے تڑپ تڑپ کے روتی اپنی ہچکیوں کو دبا رہی تھی کیونکہ اگر اس کی ان چیخوں کی آوازیں اس کے بھائیوں تک پہنچ جاتیں تو ٹکڑے ٹکڑے بھرجائی مہپانو اور سردار گل ہاشم کی سزا کے آرڈر جاری ہو جاتے اور وہ ایسا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اسے سب خود ہی چپ چاپ سہنا تھا اپنے دل پہ جبر کرنا تھا اور سردار گل ہاشم کے ساتھ "تعاون" کرنا تھا اس کے دل کی "دنیا" بچانی تھی۔ چاہے اس کوشش میں اپنے دل کی دنیا ویران ہو جاتی۔

خان زادی شہرے پانچ بھائیوں کی اکلوتی اور لاڈلی بہن تھی ابھی وہ ایک سال کی تھی جب باپ کے سائے سے محروم ہو گئی تھی لیکن اس کے بھائیوں نے اسے کبھی باپ کی کمی محسوس نہیں ہونے دی تھی۔ وہ اپنی ماں سے بھی زیادہ اپنے بھائیوں کے پاس خوش رہتی تھی انہوں نے اپنے اصولوں اور قبیلے سے بغاوت کر کے اسے ... پڑھنے کی اجازت دے دی اور اس نے شہر جانے سے پہلے اپنے بھائیوں سے عہد کیا تھا کہ کبھی ان کی عزت پہ حرف نہیں آنے دے گی۔ ہمیشہ ان کا سر فخر سے بلند رکھے گی اور پھر ایسا ہی ہوا انہیں کبھی اس کی طرف سے شکایت نہیں ملی تھی۔ وہ اپنی بہن کو بیاہنے کے لیے بہت اونچے اونچے خواب دیکھتے تھے مگر دو سال پہلے قبیلے میں ہونے والے ایک جھگڑے نے ان کے خواب چکنا چور کروا دیے تھے۔

خان زادہ افراسیاب اور خان زادہ وہاب سے تین آدمی قتل ہو گئے معاملہ جدی پشتی دشمنی کا چلا آرہا تھا جب ہی دشمنوں کی نیت میں فتور آگیا اور اس نیت کی خبر خان زادہ افراسیاب کو پہنچ گئی وہ مر بھی جاتے تو اپنی بہن کو دشمنوں کے ہاتھوں میں نہیں سونپ سکتے تھے لیکن پنچایت کے فیصلے کے مطابق وہ خون بہا دینے سے انکار بھی نہیں کر سکتے تھے اسی لیے دن بدولت سوچنے کے بعد ایک خیال آیا اور وہ پر سکون ہو گئے۔

"مہپانو اگر چھوٹی خان زادی کو تمہاری بھرجائی بنا دیں تو کیسا رہے گا؟" انہوں نے مہپانو کے ... پہ بازو پھیلاتے ہوئے انتہائی ٹھہرے ہوئے لہجے میں ... مہپانو کا ہاتھ چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے تھم گیا۔

"یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟"

"ہم جو کہہ رہے ہیں تم سن چکی ہو۔"

"لیکن خان سائیں یہ کیسے ہوگا؟"

"یہ ایسے ہی ہوگا جیسے ہمارا اور تمہارا نکاح ہوا تھا فرق اتنا ہوگا کہ ہم تمہیں دھوم دھام سے بیاہ کر لائے تھے اور تمہارا بھائی خاموشی سے چھوٹی خان زادی کو بیاہنے آئے گا۔"

"خان سائیں پہلے گل ہاشم سے بات تو۔۔۔"

"بس مہپانو بس‘ ہماری بہن کی شان میں گستاخی مت کرو کیا تمہارے بھائی کے لیے یہ خوش نصیبی نہیں ہوگی کہ خان زادی شہرے اس کی زوجیت میں جائے گی۔" انہوں نے ہاتھ اٹھا کر بیوی کو مزید بولنے سے ٹوک دیا تھا۔

"جی خان سائیں یہ تو آپ بجا کہہ رہے ہیں لیکن میرا کہنے کا مطلب صرف اتنا تھا کہ پہلے بات ہو جاتی پھر۔"

"دیکھو نیک بخت پرسوں پنچایت کا فیصلہ ہوگا ہمارے پاس باتیں کرنے کا وقت ہرگز نہیں ہمیں صرف عمل کرنے کی ضرورت ہے صبح تم حویلی جاؤ اور رات کو اپنے بھائی کو ساتھ لے آنا نکاح کے ساتھ ہی رخصتی کر دیں گے اگر خون بہا کے لیے خان زادی کے رشتے کی بات ہوئی تو ہم کہہ دیں گے کہ خان زادی کا نکاح سردار گل ہاشم سے تب ہی ہو گیا تھا جب ہماری شادی مہپانو سے ہوئی تھی۔" انہوں نے سارا بوجھ مہپانو کے کندھوں پہ ڈال دیا اور مہپانو اندر ہی اندر لرز گئیں انہیں اندازہ تھا کہ گل ہاشم کا جھکاؤ بڑے چچا کی بیٹی ارجمند کی طرف ہے اسی لیے وہ ہچکچا رہی تھیں لیکن اب کیا ہو سکتا تھا رات بھر وہ سوچتی رہیں اور صبح جب حویلی میں داخل ہوئیں تو گل ہاشم نے بہن کو دیکھ کر خوشی کا نعرہ بلند کیا تھا۔

"ہماری مہپانو آپا آئی ہیں۔" وہ خوشی خوشی قریب آیا تھا۔ لیکن جب تھوڑی دیر بعد مہپانو نے اپنا مدعا

بیان کیا تو گل ہاشم کی ساری خوشی ہوا ہو گئی وہ یکدم ... اور ... ہو گیا تھا۔

"آپ کیا کہہ رہی ہیں؟"

"میں سچ کہہ رہی ہوں ہاشم تم نے اس فیصلے سے انکار کر دیا تو خان سائیں مجھے طلاق دے دیں گے میرا گھر اجڑ جائے گا میری زندگی برباد ہو جائے گی میرے بچے مجھ سے چھین جائیں گے اللہ کے لیے ہاشم میری بات کو سمجھنے کی کوشش کرو۔" مہپانو اس وقت انتہائی سخت بے بسی کے عالم میں تھیں۔ وہ دو ہی بہن بھائی تھے اور ابھی بہت چھوٹے تھے جب ماں باپ کی دائمی جدائی سہنا پڑی تھی لیکن ان کے دادا نے انہیں بہت محبت اور لاڈ پیار سے پالا پوسا تھا بہت توجہ سے ان کی پرورش کی تھی مہپانو بڑی تھیں اسی لیے ان کی شادی کے فرض سے جلد ہی سبکدوش ہو گئے تھے لیکن اب وہ گل ہاشم کی دلہن لانے کے خواب سجا رہی تھیں اور عنقریب وہ کوئی رسم کرنا چاہتے تھے لیکن آج مہپانو کی التجا سن کر پریشان ہو اٹھے تھے اور انہیں مہپانو کی خاطر گل ہاشم کے سامنے بولنا پڑا تھا۔

"ہاشم اس وقت تمہاری بہن تمہارے گھر سوالی بن کے آئی ہے اسے تمہاری مدد کی ضرورت ہے تمہارا انکار اس کی زندگی میں طوفان لا سکتا ہے۔"

"لیکن دادا جان میرا اقرار میری زندگی میں طوفان لے آئے گا میں اپنے دل کا کیا کروں گا؟"

"بیٹا تم اپنے دل سے تو لڑ سکتے ہو لیکن بہن کے مقدر سے نہیں لڑ سکتے اگر اسے طلاق ہو گئی تو لوگوں کی زبانوں کو کیسے روکو گے؟" دادا جان اسے عقل اور سلیقے سے سمجھا رہے تھے۔

"مگر خان زادہ افراسیاب بہن کے مقدر سے لڑ سکتے ہیں تو میں بھی لڑ سکتا ہوں میری بہن بھی مجھ پہ بوجھ نہیں ہوگی۔" گل ہاشم اپنے دل کی دنیا بچانے کے لیے کوئی بھی جنگ لڑنے کو تیار تھا۔

"تمہاری بہن تم پہ کبھی بوجھ نہیں بن سکتی لیکن تمہاری بہن کی ممتا تم پہ ضرور بوجھ بن جائے گی اپنے بچوں سے بچھڑ کر وہ کیسے سکھ کی نیند سو سکے گی؟" انہوں نے اسے ہر اونچ نیچ سے آگاہ کرنا ضروری سمجھا تھا اور گل ہاشم مجبوری کے اس جال میں جکڑتے ہوئے پھڑپھڑانے لگا تھا لیکن وہ اس کے سوا کچھ کر بھی تو نہیں سکتا تھا کیونکہ معاملہ ۔۔۔ نازک رشتوں کا ـــــ تھا۔ اسے ہتھیار ڈالنا پڑے دل کو کچلنا پڑا اپنے خواب‘ اپنی خواہش‘ اپنی محبت خود دفن کرنا پڑا تھا اور کافی حد تک تلخی بھی زبان کا حصہ بن گئی تھی جسے اس نے پہلی رات ہی خان زادی شہرے پہ آزمایا تھا۔

نکاح کے بول پڑھنے کے ساتھ ہی نجانے کون سا الہامی جذبہ تھا جو خان زادی شہرے کے دل پہ نازل ہوا اور وہ سردار گل ہاشم کی طرف مائل ہوتی گئی اس کا دل اسے پاگل کیے دے رہا تھا وہ سردار گل ہاشم کی سمت دیکھے بنا چپ چاپ بیٹھی رہی تھوڑی دیر بعد چند لوگوں کی خفیہ موجودگی میں اس کی رخصتی ہوئی لیکن گل ہاشم کے کمرے میں آ کر اس کے دل کی دھڑکنیں ٹھہر گئیں کیونکہ اس کے تیور خاصے جارحانہ تھے۔

"تمہارے بھائی درندگی کی حد پار کر چکے ہیں پہلے تو قتل کرتے ہیں پھر دوسروں کی زندگیاں برباد کرتے ہیں۔" وہ یکدم پھٹ پڑا۔

"انہوں نے جان بوجھ کر کسی کو قتل نہیں کیا محض اپنی جان بچانے کے لیے فائرنگ کرنا پڑی‘ جس کی زد میں وہ لوگ بھی آ گئے ان کا ارادہ قتل کرنے کا ہرگز نہیں تھا۔" وہ نہ چاہتے ہوئے بھی بول پڑی تھی۔

"ہونہہ وہ قتل کریں یا نہ کریں لیکن انسان کو زندہ ضرور دفن کر دیتے ہیں۔" وہ زہر اگل رہا تھا اور خان زادی شہرے حیرت سے آنکھیں پھیلائے اپنے شوہر کے دل میں پلنے والی اپنے بھائیوں کے لیے نفرت دیکھ رہی تھی۔

"کسے زندہ دفن کیا ہے انہوں نے؟"

"شاید تمہیں۔" وہ چبا کر کہتا اپنے کرتے کے بٹن کھولتا پاس سے گزر کر ڈریسنگ روم میں چلا گیا وہ دلہن بنی کمرے کے بیچ کھڑی تھی۔

ایک تو سردار گل ہاشم کے خاندان والوں کو بس اچانک افتاد کی خبر نہیں تھی اور دوسرے اس کے چچا

سائیں کی فیملی ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے اس کی دلہن دیکھنے بھی نہیں آئی تھی۔" آخر انہوں نے اپنی بیٹی کے لیے امیدیں باندھ رکھی تھیں جو آج ٹوٹ گئی تھیں اسی لیے نکاح میں شرکت کے لیے دادا جان کے ساتھ چچا سائیں ہی گئے تھے۔

"کپڑے تبدیل کرکے واپس آیا تو خان زادی شہرے کو ہنوز ایک ہی جگہ کھڑے دیکھ کر ٹھہر گیا اور اس کے سامنے آرکا تھا۔

"یہ بات بھول جاؤ کہ جو راج تم نے اپنے بھائیوں کے دلوں پہ کیا ہے وہی راج تم سردار گل ہاشم کے دل پہ کرو گی۔ تمہارا حسن، تمہاری تعلیم، تمہارا خاندان، تمہاری جائیداد میرے لیے کوئی معنی نہیں رکھتی اس لیے کبھی بھی مجھ سے کسی قسم کی توقع مت رکھنا۔ ڈریسنگ روم وہ ہے تم کپڑے بدل سکتی ہو۔" ڈریسنگ روم کی سمت اشارہ کرکے بیڈ کی سمت بڑھ گیا اور وہ حیرت سے گنگ کھڑی دیکھتی رہ گئی تھی۔ کبھی کبھی انسان کے حالات اسے عرش سے لا کر فرش پہ پٹخ دیتے ہیں ایسا ہی کچھ خان زادی شہرے کے ساتھ ہوا تھا وہ بھی سردار گل ہاشم کو مانگے ملی تھی جب ہی قدر کھو بیٹھی تھی ورنہ خان زادوں کا اکلوتا داماد بننا قبیلے کے کئی لوگوں کا خواب تھا۔ وہ لائٹ بجھا کر زیرو پاور بلب آن کرچکا تھا۔ خان زادی شہرے بمشکل قدم اٹھاتی ڈریسنگ روم تک گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

اور آج دو سال بعد وہ اسے طلاق دینے کا فیصلہ سنا کر خان زادوں کی حویلی واپس چھوڑ گیا تھا ان دو سالوں میں کبھی بھی خان زادی شہرے نے اسے اپنے حقوق کے کٹہرے میں کھڑا نہیں کیا تھا۔ کبھی اس کی سرد مہری کی شکایت نہیں کی تھی کبھی اس کی بے رخی پہ واویلا نہیں کیا تھا ہمیشہ چپ چاپ اس کا ہر رویہ برداشت کیا تھا شاید اس لیے کہ [illegible] پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی شاید اس لیے کہ وہ سردار کی زندگی عذاب نہیں کرنا چاہتی تھی [illegible]

اگر خان زادہ افراسیاب کو سردار گل ہاشم [illegible] بھنک بھی پڑ گئی تو وہ بھرجائی مہ پارہ کا جینا [illegible] یا پھر وہ اس لیے چپ سادھ گئی تھی کہ اسے سردار ہاشم سے محبت ہو چکی تھی لیکن اس کے باوجود [illegible] اپنا بھی نہیں لگی تھی کہ وہ ——— اسے حویلی جانے کا حکم سنا چکا تھا اسے "حسن چاچی" قرار دے [illegible] اور وہ اسی بات پہ روئے جارہی تھی کہ وہ [illegible] رفاقت اور ریاضت کے بعد بھی وہ "حسن چاچی" ہی تھی۔ یہی دکھ اسے ہچکیوں سے رلا رہا تھا یہی [illegible] تکلیف دے رہا تھا کہ وہ کتنی آسانی سے اسے چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ یہاں تک کہ پلٹ کر دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا تھا اور اس کی منجمد حالت پہ غور بھی نہیں کیا تھا۔

"خان زادی! میرے کپڑے کہاں ہیں۔" وہ وارڈروب کھولے کھڑا تھا یکدم چیخ اٹھا لیکن پھر اتنی ہی تیزی سے لب بھینچ گئے تھے۔ خان زادی گھر سے نکل کیا اس حویلی میں بھی نہیں تھی۔

"کیا بات ہے سائیں؟" ملازمہ اس کی دھاڑ سن کے بھاگی بھاگی آئی تھی۔

"نہیں کچھ نہیں۔" وہ آہستگی سے کہتا وارڈروب کے پٹ چھوڑ کے پیچھے ہٹ گیا۔ انداز میں اچانک شکستگی اتر آئی تھی۔ وہ متواتر دو روز سے اسی طرح بے ساختگی میں اسے ہزاروں بار پکار چکا تھا کبھی چائے کے لیے، کبھی دودھ کے لیے، کبھی تولیے کے لیے اور کبھی کپڑوں کے لیے لیکن اس کی ہر پکار پہ فوراً بھاگ کر آنے والی دو روز سے ایک بھی پکار پہ نہیں آئی تھی۔ وہ ہمیشہ سے محض اسے نیچا دکھانے کے لیے اسے اپنی کنیز ثابت کرنے کے لیے اپنے کام اسی سے کرواتا تھا۔ چاہے صرف واسکٹ ہینگر میں لٹکانی ہوتی ساری ذمہ داری اسی پہ تھی اور وہ اتنی انا اتنا غرور رکھنے والی اتنی پڑھی لکھی ہونے کے باوجود اس کے چھوٹے چھوٹے کام کرنے کے لیے دوڑی جاتی تھی۔ جس پہ گل ہاشم کو حیرت تو ہوتی لیکن اظہار نہیں کرتا تھا۔ وہ اس کی کنیز بننے میں کوئی عار نہیں سمجھتی تھی کیونکہ وہ اس کا شوہر

[illegible] شوہر کے حقوق جانتی تھی۔

"[illegible] نہیں ہوئے ابھی تک؟" دادا جان کمرے [illegible] ہوئے تو اسے یونہی بوجھل انداز میں بیٹھے [illegible] سے بولے۔

"میں نہیں جارہا آپ چچا سائیں سے کہہ دیجیے گا [illegible] ضروری کام سے کہیں جانا پڑ گیا تھا۔" وہ اس وقت [illegible] سائیں کی حویلی ان کے چھوٹے بیٹے سے ملنے جارہا [illegible] جو ابھی امریکا سے تعلیم مکمل کرکے لوٹا تھا لیکن [illegible] ملنے سے زیادہ اسے ارجمند کو دیکھنے کی خوشی ہو [illegible] تھی لیکن اب وہ خوشی نجانے اس بوجھل پن میں کہاں گم ہو گئی تھی۔

"سائیں تیرے میں جاکر جھوٹ بولوں گا کیا؟ اٹھو ابھی تھوڑی دیر تک آجاتے ہیں، تمہاری چچی بھی تمہارا پوچھ رہی تھیں۔" دادا جان نے اسے زبردستی ساتھ چلنے کے لیے تیار تو کرلیا لیکن اس کا موڈ ٹھیک نہیں کرسکے تھے اپنے کزن سے مل کر سب کے درمیان بیٹھ کر بھی اس پہ چھائی پژمردگی دور نہیں ہوئی تھی۔

"کیا بات ہے آپ کچھ پریشان لگتے ہیں؟" ارجمند اسے باہر نکلتے دیکھ کر پیچھے چلی آئی۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔" وہ سر جھکائے کھڑا پاؤں کے قریب رکھے گملے کو دیکھنے لگا جو ویرانی کے عروج پہ تھا اس کی آغوش خشک پتوں سے بھری ہوئی تھی اور ان پتوں میں ہوا کی سرسراہٹ سے اضطراب بپا ہو رہا تھا بالکل ایسا اضطراب جیسا سردار گل ہاشم کی ذات میں پھیل رہا تھا جسے وہ خود سمجھنے سے قاصر تھا۔

"آپ کچھ چھپا رہے ہیں شاید۔"

"کہا نا کوئی بات نہیں۔" وہ یکدم غصے سے چیخ گیا اور ارجمند کی سمت پلٹا اسے اپنے لہجے اور انداز کی تلخی کا احساس ہوا۔

"آئم سوری خان زادی! آئم رئیلی سوری یونہی غصے میں۔"

"بس پلیز بس کریں اس سے زیادہ پریشانی کا ثبوت اور کیا ہوگا کہ آپ مجھے خان زادی کہہ رہے ہیں کیا خان زادی اتنی ہی سر پہ سوار ہوگئی ہے؟" ارجمند کا کاٹ دار لہجہ سردار گل ہاشم کو اور بھی بے بس کرگیا۔ اپنی بے ساختگی اور بے خودی میں وہ اسے خان زادی کے نام سے مخاطب کر بیٹھا تھا۔

"پلیز ارجمند آئم سوری میری طبیعت اس وقت بالکل بھی ٹھیک نہیں میں کیا کہہ رہا ہوں کیا کر رہا ہوں مجھے خود علم نہیں تم پلیز ملامت کرو اور میرا خیال ہے مجھے اس وقت گھر چلنا چاہیے۔" وہ کنپٹی مسلتا ہوا کہہ رہا تھا تھوڑی دیر بعد وہاں سے لوٹ آیا لیکن حویلی میں جگہ جگہ اس کا عکس دکھائی دے رہا تھا۔ وہ مزید پاگل ہونے لگا سگریٹ پھونکتے ہوئے اس نے سگریٹوں کے ڈھیر لگادیے تھے لیکن خان زادی شہرے کی کمی کو بھول نہیں پا رہا تھا اسے بھولنے کی کوشش میں نڈھال ہونے لگا تھا۔ دماغ سوچوں کی یلغار سے شل ہوگیا۔

دادا جان یا بابا خان زادی شہرے کی غیر موجودگی کے بارے میں استفسار کرچکے تھے لیکن گل ہاشم ان کے سامنے اصل بات بتا نہیں پا رہا تھا کہ خان زادی شہرے ہمیشہ کے لیے جا چکی ہے اور وہ اسے طلاق دینے کا سوچ رہا ہے اگر وہ اس بات سے باخبر ہوجاتے تو یقیناً گل ہاشم کو سخت سست سناتے اسی لیے وہ انتظار کر رہا تھا کہ شاید خان زادی شہرے کی طرف سے کوئی پیش رفت ہو۔ وہ تو یہاں سے جاکر بالکل ہی لاتعلق ہوگئی تھی۔ گل ہاشم سے آئندہ کا لائحہ عمل بھی دریافت نہیں کیا تھا۔

"سائیں بی بی کا فون ہے۔" وہ ابھی سوچوں میں گم بیٹھا تھا جب ملازمہ کارڈلیس ہاتھ میں لیے قریب آگئی اور گل ہاشم نے بے تابی سے ریسیور تھاما۔

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام ہاشم کہاں ہوتے ہو؟" مہ پارہ آپا نے چھوٹتے ہی استفسار کیا۔

"گھر پہ ہی ہوتا ہوں آپ سنائیں۔"

"میں کیا سناؤں گی شہرے اتنے دنوں سے آئی ہوئی ہے تم نہ ملنے آئے ہو نہ ہی فون کیا ہے کوئی جھگڑا تو نہیں ہوا تم دونوں کا؟" ان کے لہجے میں تشویش تھی۔

"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں ہوئی اس وقت وہ کہاں ہے؟" بے ساختہ وہ پوچھ بیٹھا اور مہا نو آپا نے شمرے کو بلا کر فون اسے تھما دیا۔

"کیسی ہو؟" دوسری طرف اس کی مدھم ہیلو کی آواز سن کر گل ہاشم کے دل میں عجیب سا احساس پیدا ہوا تھا۔ وہ الجھ سا گیا۔

"ٹھیک ہوں۔" مختصراً کہتے ہوئے وہ خاموش ہو گئی اور گل ہاشم اس بولتی خاموشی سے دل ہی دل میں جنگ کرنے پہ مجبور ہو گیا۔

"ایم سوری۔" وہ آہستگی سے بولی۔

"سوری فار واٹ؟" وہ ناسمجھی سے پوچھ رہا تھا۔

"میں ابھی تک لالا سائیں سے بات نہیں کر سکی ان فیکٹ آج کل گھر میں ارباب لالا کی شادی کی تیاریاں ہو رہی ہیں اگر میں نے اپنا مسئلہ کہہ دیا تو سب ڈسٹرب ہو جائیں گے اس لیے میں نے سوچا ہے اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو ارباب لالا کی شادی کے بعد بات کر لوں گی۔" وہ انتہائی مدھم لہجے میں بات کر رہی تھی۔

"ہوں۔۔۔ ٹھیک ہے جیسا تم مناسب سمجھو۔"

"میں فون بند کروں؟" وہ یقیناً "بات کرنے سے کترا رہی تھی۔

"[illegible]۔" وہ گہری سانس خارج کرتے ہوئے بولا اور خان زادی شمرے نے اللہ حافظ کہہ کر فوراً رابطہ منقطع کر ڈالا تھا اور پیچھے وہ گھورتا رہ گیا۔

"کیا ہے میں خان زادی کو آزاد کرتے کرتے خود عجیب سی قید کا شکار ہوتا جا رہا ہوں اسے بھولنے کی کوشش میں اس کی یاد کو اوڑھنا بچھونا بنا لیا ہے وہ جو پہلو میں رہ کر مجھے دکھائی نہیں دیتی تھی اب متواتر پہلو کے ایک گوشے میں دھڑکتی ہوئی سنائی دیتی ہے اسے اپنی کنیز بنانے چلا تھا اسے اپنی زندگی کا حصہ بنا کر اس کا مالک ہو چکا [illegible]" وہ سوچ سوچ کر پاگل ہونے لگا تھا لیکن اپنے دل میں بیدار ہونے والے اس انجانے جذبے اور اس جان لیوا احساس سے دامن نہیں بچا پا رہا تھا اس کی سوچ شل

کے خواب اس کے احساس جیسے اس... ہو گئے تھے۔ وہ اس کے احساسات کا مر... تھی۔

☆ ☆ ☆

"خان سائیں نے آپ کو حویلی بلوایا ہے آج شام پانچ بجے۔" جیپ سے اتر کر قریب آنے والے ملازم نے اسے اطلاع دی تو لمحہ بھر کے لیے سردار گل ہاشم ٹھٹک گیا۔

"خیریت تو ہے؟"

"سائیں یہ تو آپ کو آ کر ہی پتا چلے گا ہم کیا کہہ سکتے ہیں؟" ملازم مؤدب انداز سے کھڑا پیغام پہنچا رہا تھا۔

"بیٹھو چائے پانی پی کر جانا۔" اس نے ملازم کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"گستاخی معاف سائیں! مجھے اس وقت کہیں اور بھی کام سے جانا ہے آپ مجھے اجازت دیں۔"

وہ سینے پہ ہاتھ رکھ کے جھکا۔ گل ہاشم نے سر ہلا کر اسے جانے کی اجازت دی اور اپنی مضبوط کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی ابھی دن کے بارہ بجے تھے اور ابھی پورے پانچ گھنٹے انتظار کا سامنا کرنا تھا۔ کہیں اس نے پہلے ہی بات تو نہیں کر ڈالی؟ اسے شمرے کی طرف سے خدشہ ہوا۔۔۔ اور متواتر پانچ گھنٹے وہ عجیب عجیب خدشوں اور وہموں کا شکار رہا تھا بڑی مشکلوں سے شام کے پانچ بجے تھے اور وہ حویلی پہنچا تھا۔ وہاں اس کا استقبال کافی خوش دلی سے کیا گیا۔

"کیا حال چال ہیں سردار سائیں بڑے مصروف ہوتے ہو؟" خان زادہ افراسیاب اپنے سالے اور بہنوئی سے کافی اپنائیت سے مخاطب تھے۔

"آپ جانتے ہیں کہ خاندان اور زمینوں کے بکھیڑوں میں پڑ کے انسان فارغ کب رہ سکتا ہے۔" وہ بھی بے حد سنجیدگی اور متانت سے جواب دے رہا تھا۔

"وہ تو سب ٹھیک ہے مرد کی مردانگی اس کے کام اس کی محنت سے ظاہر ہوتی ہے لیکن ابھی بھی کیا

...اپنی گھر والی کی خیر خبر بھی معلوم نہ کی ...گل ہاشم ان کی بات پہ چونکا پھر سنبھل گیا۔ ...والی اپنے میکے میں ہے اسی لیے زیادہ پریشانی ...اپنے بھائیوں کے گھر میں ہے۔"

...سردار سائیں پھر تو ہر گھر والی اپنے میکے میں ہی ...ہی ہوگی۔ آخر اس کے بھائیوں کا گھر جو ہوتا ...ان کا جواب جو معنی رکھتا تھا گل ہاشم اچھی ...سمجھ رہا تھا۔

...ہم نے تمہیں اس لیے بلایا تھا کہ ہم ...کی شادی طے کر چکے ہیں ابھی تاریخ طے کرنی ...تمہارے اکلوتے داماد ہو اس لیے تم سے صلاح ...کرنا تھا' سوچ رہے ہیں کل تاریخ بھی طے ہو ...

"انہوں نے بات شروع کی تو گل ہاشم بھی بغور ... باقی چار بھائی بھی وہیں موجود تھے۔

"سردار سائیں کو بڑی بیگم نے بلایا ہے خان سائیں۔" ملازمہ اندر داخل ہوئی تب گل ہاشم کو ...وہاں سے نکل کر حویلی کے اندر آنا پڑا۔

"سلام اماں سائیں۔" خان زادی شمرے کی ماں کو جھک کر سلام کیا تو جواباً انہوں نے اس کے ماتھے پہ بوسہ دیا تھا۔

"جیتے رہو آباد رہو۔" وہ داماد کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی تھیں۔ کافی دیر حال احوال پوچھتی رہیں اور وہ نجانے کیوں پہلو بدلتا لاشعوری طور پہ خان زادی شمرے کی آمد کا انتظار کر رہا تھا۔

"وہ اوپر ہے اپنے کمرے میں اسے تمہاری آمد کا علم نہیں شاید۔" مہا نو آپا نے آہستگی سے اسے اشارہ کیا وہ ٹھٹک گیا۔ دل بے اختیار مچلا کہ اس سے ملنے اسے دیکھنے اس کے کمرے میں جانا چاہیے اور جہاں انسان کا دل مچل جائے وہاں سنبھل جانا دشوار ہی ہوتا ہے وہ بھی اپنے قدموں کو نہیں روک سکا تھا۔ ان دو سالوں میں پہلی مرتبہ وہ اتنے دن اس کی آنکھوں سے اوجھل ہوئی تھی اور ان دو سالوں میں پہلی مرتبہ وہ اس کے کمرے تک جا رہا تھا پہلے کبھی ایسی نوبت نہیں آئی تھی۔ دستک کے جواب میں خاموشی ہی ملی تو دروازہ

دھکیلنا پڑا جو کھلتا چلا گیا۔ اندر قدم رکھ کر اسے اندازہ ہوا کہ وہ کسی ریاست کی ملکہ کی خواب گاہ میں آگیا ہو جہاں ہر چیز ہی خوابیدہ لگ رہی تھی جہاں ایک ایک قدم اٹھاتے ہوئے بھی سوچنا پڑ رہا تھا۔ سب کچھ ایک شان حکمت سے سجا ہوا تھا لیکن وہ خود نجانے کہاں تھی۔ وہ مضبوط قدم اٹھاتا اس کے بیڈ تک آگیا۔

باتھ روم کے دھندلے شیشوں اور دھندلے پردوں سے ہلکی سی روشنی پھوٹ رہی تھی۔ جس سے اسے اندازہ ہو گیا کہ وہ باتھ روم میں ہی ہے تقریباً" دس منٹ کے انتظار کے بعد وہ بالوں پہ تولیہ لپیٹے باہر نکلی تھی۔ وہ اسے نہیں دیکھ سکی لیکن گل ہاشم اسے دیکھ کر مبہوت ہو گیا تھا شاید وہ اسے اس "نظر" سے پہلی بار دیکھ رہا تھا وہ اپنی نگاہوں کا حصار اس کے گرد سے ہٹا نہیں سکا تھا اور خان زاوی شہرے پر تپش نظروں کی تپش محسوس کر کے یکدم پلٹی تھی۔ گل ہاشم کو سامنے دیکھ کر بری طرح سٹپٹا گئی۔

"آپ یہاں میرے بیڈ روم؟"

"کیوں میں تمہارے بیڈ روم میں نہیں آسکتا؟" وہ اس کے قریب آگیا جبکہ شہرے بوکھلا گئی تھی وہ اس وقت جدید تراش خراش کے لباس میں ملبوس تھی۔

"لیکن اس طرح اجازت کے بغیر۔" وہ نا محسوس انداز سے بالوں پہ لپٹا تولیہ اپنے کندھوں پہ کھینچ چکی تھی جس کے نتیجے میں انتہائی گھنے سیاہ بال اس کے گرد گھٹاؤں کی مانند بکھر کر اس کی پوری کمر کو ڈھانپ چکے تھے۔

"اجازت لے کر اجنبی کمروں میں جایا جاتا ہے جبکہ یہ کمرہ تو۔" وہ بات ادھوری چھوڑ کر اسے قریب سے بغور دیکھنے لگا۔

"یہ کمرہ بھی آپ کے لیے ایک اجنبی لڑکی کا ہی ہے آپ کو یہاں آنے سے پہلے کم از کم اپنے اور میرے تعلق کی نوعیت سوچ لینا چاہیے تھی کہ کس موڑ پہ پہنچ چکی ہے۔"

"ہو سکتا ہے میں سوچ کر ہی آیا ہوں۔" اس نے بے نیازی سے کہتے ہوئے اس کی بکھری ہوئی زلفوں کو آہستگی سے پیچھے ہٹا دیا۔ اس حرکت میں ہاشم کی انگلیوں کی پوریں اس کے رخسار سے ٹکرائیں تو خان زاوی شہرے کرنٹ کھا کے پیچھے ہٹی۔

"پلیز آپ ہوش میں تو ہیں؟" وہ اپنے ہاتھوں سے چھوٹے سے تولیے کو دوپٹے کی طرح اوڑھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ گل ہاشم نے جھٹکے سے اسے اپنے قریب کر لیا۔

"میرے ہوش چھین کر کہہ رہی ہو کہ میں ہوش میں تو ہوں؟ جانتی ہو میں کیسے جی رہا ہوں تمہارے بغیر؟" وہ اس کا بھیگا چہرہ دونوں ہاتھوں میں پکڑے ضبط سے اپنی آواز دبا کر بولا تھا۔ شہرے نے چونک کر اس کی آنکھوں میں دیکھا جہاں اتنے دنوں کی بے قراریاں، بے کلیاں، رت جگے سب بہت واضح طور میں رقم تھے۔

"میں جان کر کیا کروں گی سردار سائیں؟" وہ اس کی گرفت سے نکلنے لگی۔

"تمہیں جاننا ہو گا خان زاوی کیونکہ میری حالت کی ذمہ دار تم ہو۔ میں تمہیں پاگلوں کی طرح پکارتا ہوں۔ میں تمہیں دیوانوں کی طرح یاد کرتا ہوں میں تمہاری چیزیں چھو کر تمہیں محسوس کرتا ہوں۔ میں رات بھر تنہا بستر پہ سو نہیں پاتا صرف تمہاری وجہ سے۔"

"کیوں؟ کیوں نہیں سو پاتے؟ کیوں پکارتے ہیں؟ کیوں یاد کرتے ہیں؟ کیوں جی رہے ہیں میرے بغیر اس حال میں؟ بقول آپ کے میں آپ کے لیے ایک "تاوان جیسی" تھی ہوں دو سال ان چاہی بن کے گزار دیے لیکن پھر بھی آپ سے یہی سننے کو ملا کہ میرے ہونے اور نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا میرے لیے آپ کے دل میں کوئی جذبہ بیدار نہیں ہو سکا۔ مجھ سے نکاح کرتے وقت آپ کو اپنا دل مارنا پڑا تھا۔ آپ نے مجھ سے محبت کرنے کی کوشش بھی کر کے دیکھ لی لیکن کامیابی نہیں ہوئی تو پھر اب۔ اب کیوں مجھے اپنا حال سنا رہے ہیں؟" وہ تلخی سے کہتی اس کی گرفت سے دور ہو گئی تھی۔

"اب اس لیے سنا رہا ہوں کہ تم سے دور ہو کر مجھے احساس ہوا کہ کبھی کبھی وہ چیز بھی ہماری زندگی کے لیے ضروری ہوتی ہے جو ہمیں بن مانگے مل جاتی ہے جسے اللہ ہماری جھولی میں ڈال دیتا ہے لیکن ہم اس کی قدر نہیں کرتے ہمیں احساس نہیں ہوتا کہ وہ چیز کتنی ضروری ہے جو اللہ تعالیٰ نے خود بخود عنایت کر دی اگر وہی چیز ہم ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مانگتے اور اللہ تعالیٰ ہمیں وہ چیز نہ دیتا تب احساس ہوتا کہ وہ چیز کیا ہے اور اس حقیقت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی نوازشوں سے منہ موڑ رہے ہیں اور اس کے کرم اس کی عنایت کے شکر گزار نہیں ہیں ناشکرے ہیں۔"

وہ گل ہاشم مضبوط اور پرسکون انداز سے بات کر رہا تھا شہرے نے ٹھٹک کر اسے دیکھا۔

"یہ بات آپ کو اب معلوم ہوئی ہے کہ ہم بن مانگے ملنے والی چیز کی قدر نہیں کرتے؟" وہ بیڈ سے اپنا دوپٹا اٹھا کر اپنے شانوں پہ پھیلا چکی تھی۔

"ہاں اب معلوم ہوئی ہے شاید تھوڑی سال اور بھی میرے پاس رہتیں میری ہر چیز کا خیال رکھتیں ملازموں کی طرح بھاگ بھاگ کر کام کرتیں اپنا آپ میری خاطر ہلکان کر لیتیں تب بھی مجھے احساس نہ ہوتا کیونکہ جو چیز انسان کی دسترس میں ہو وہ اس کی پروا نہیں کرتا جو چیز نظر کے سامنے ہو اسے دیکھنے کے قابل نہیں سمجھتا لیکن جب وہی چیز چھن جائے تو پتا چلتا ہے وہ ہمارے لیے کیا مقام کیا اہمیت رکھتی تھی۔ میں دو سال تمہاری قدر نہیں جان سکا کیونکہ وہ سال تم ہر لمحہ ہر گھڑی میرے قریب رہی ہو لیکن ان دو ہفتوں میں میری زندگی تمہارے بغیر اس قدر ویران اور بدصورت ہو گئی تھی کہ مجھے تمہاری قدر تمہاری اہمیت کا احساس ہو گیا اور تم جانتی ہو احساس محبت کا دوسرا نام ہے انسان کو ہمیشہ اسی سے محبت ہوتی ہے جس کا احساس ہوتا ہے۔ بنا احساس کے محبت ہو ہی نہیں سکتی۔ مجھے تمہارا احساس تمہاری دوری سے ہوا۔" اس نے خان زاوی شہرے کا ہاتھ پکڑ کر نرمی سے اپنے ہاتھ میں دبایا۔

"لیکن مجھے آپ کے احساس کی کوئی ضرورت نہیں۔" وہ رخ موڑ کر اپنے آنسو چھپانے کی کوشش کرنے لگی۔

"کیا تمہیں میری محبت کی بھی ضرورت نہیں؟" گل ہاشم نے اس کا چہرہ اپنی سمت موڑا۔

"پلیز آپ یہاں سے چلے جائیں میں بہت جلد خلع کے لیے کہہ دوں گی بابا سائیں کو۔۔۔ آپ پہ کوئی الزام نہیں۔"

"تمہیں خان زاوی میں اپنی زندگی اپنے آپ سے جدا نہیں کر سکتا میں تمہیں کبھی طلاق نہیں دے سکتا تم میری ہو تمہیں میری ہی رہنا ہے۔"

"کیوں آپ کی محبت وہ کہاں جائے گی؟" اس نے تلخی سے کہا۔

"وہ محبت نہیں تھی شاید وہ بچپن کا ساتھ تھا انسیت تھی جسے میں محبت کا نام دے بیٹھا کیونکہ اگر وہ محبت ہوتی تو میں یوں دو سال اتنی آسانی سے اس کے بغیر کیسے گزار سکتا تھا بلکہ محبت تو یہ ہے۔ جس کے بغیر دو ہفتے بھی مجھے دو صدیوں کا سفر لگ رہے ہیں" لیکن وہ

ہفتوں میں تمہیں دیکھنے کی کتنی بے قراری تھی کتنا بے چین تھا تم سے ملنے کے لیے تم کبھی اندازہ نہیں کر سکتیں میں نے یہ پندرہ دن کس طرح گزارے ہیں۔"

"لیکن میں آپ سے محبت نہیں کرتی۔" وہ سختی سے بولی اور گل ہاشم مسکرا دیا۔

خان زادی شہرے نے اسے الجھ کر استفہامیہ نظروں سے دیکھا۔

"تمہاری محبت میں پہلے روز ہی تمہاری آنکھوں میں دیکھ چکا تھا' بڑی بڑی آنکھوں کا یہی تو فائدہ ہوتا ہے سب کچھ عیاں کر دیتی ہیں۔" اس نے شہرے کی خوب صورت آنکھوں میں جھانک کر شرارت سے کہا۔

"شٹ اپ مجھے ایسا مذاق پسند نہیں۔" وہ چیخ کے کہتی اپنا ہاتھ چھڑا کر دور چلی گئی۔ گل ہاشم نے پہلی بار اس کا یوں برہم انداز دیکھا تھا وہ غصے اور آنسوؤں کو ضبط کرنے کی کوشش میں سرخ ہو چکی تھی۔ وہ اسے دلچسپی سے دیکھ رہا تھا' جو تیزی سے ہیئر برش پھیرتی اپنے لمبے بال سنوار رہی تھی۔

"یار اب معاف بھی کر دو مجھے تو منانا بھی نہیں آتا۔" اس نے آئینے کے سامنے کھڑی شہرے کو عقب سے بانہوں میں بھر لیا تھا اور اس کے بالوں سے اٹھنے والی مسحور کن خوشبو کو اپنی سانسوں میں جذب کرنے لگا۔

"کم چلو تمہاری ساری ناراضگی ساری شکایتیں دور کر دوں گا اور آئندہ خطاؤں سے توبہ کر لوں گا۔" وہ سرگوشی میں کہتا خان زادی شہرے کو اپنے حلقے میں جکڑے اسے پاگل کرنے کے درپے تھا۔

"ارے چپ کیوں ہو؟" اس نے دوبارہ سرگوشی کی' لیکن کوئی جواب نہ ملا تو اس نے آہستگی سے بازو ہٹا کر شہرے کو اپنی سمت موڑ لیا اس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا۔

"پلیز خان زادی اس طرح رو کر مجھے اور زیادہ ندامت کا احساس مت دلاؤ میں اپنی غلطی کا اعتراف کر چکا ہوں تم سے معافی بھی مانگ رہا ہوں اگر تمہارا دل میری طرف سے صاف نہیں ہو رہا تم مجھے معاف نہیں کرنا چاہتیں تو مت کرو میں تم پہ کوئی زور زبردستی نہیں کر سکتا نا۔" وہ بات کرتے ہوئے بے حد سنجیدہ ہو چکا تھا۔ چہرے کے تاثرات بھی سنجیدگی لیے ہوئے تھے۔

"میں تمہیں طلاق نہیں دینا چاہتا' میری زندگی تم سے وابستہ ہے لیکن اگر تم ایسا نہیں چاہتی ہو تو مجھے بتا دینا میں طلاق کے کاغذات تیار کر لوں گا۔"

وہ کہہ کے پلٹ گیا مگر شہرے نے بے اختیار تڑپ کر اس کے کرتے کو پکڑ لیا تھا۔ ابھی وہ اس کی سمت مڑا ہی تھا کہ وہ دھواں دھار ہچکیوں سے روتی بلکتی اس کے سینے سے لگ گئی۔ گل ہاشم کی روح تک شانت ہو گئی تھی۔ اسے پتا تھا وہ دو سالوں کا رکا ہوا سیلاب بہا رہی ہے اتنے عرصے سے جمع شدہ غبار نکال رہی ہے اور اس غبار کے بعد ہی سب کچھ واضح ہو سکتا ہے۔ بہت دیر بعد وہ اس کے بازوؤں کا حصار محسوس کر کے چپ ہو گئی اور پیچھے ہٹنا چاہا۔ اس نے آہستگی سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھنسائے وہ سمٹ گئی۔

"گھر چلیں؟" اس نے خان زادی شہرے کا چہرہ اونچا کر کے کہا اس نے آہستگی سے سر اثبات میں ہلا دیا۔

"میں نیچے انتظار کر رہا ہوں' تیار ہو کر آ جاؤ۔" وہ مسکراتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ خان زادی شہرے نے اپنا چہرہ آئینے میں دیکھا جو گلاب کی مانند کھل رہا تھا۔ جس پہ محبت اور چاہت کی پہلی پہلی بہار کا عکس تھا اور اسے اعتراف کرنا پڑا کہ جو کام کوئی بھی جذبہ نہیں کر سکتا۔ کام احساس کا جذبہ کر سکتا ہے' احساس ہر جذبے پہ حاوی ہے کسی سے نفرت کرتے کرتے اگر ہمیں اپنی نفرت کا احساس ہو جائے تو وہ احساس نفرت کے جذبے کو بھی مار دیتا ہے۔

☼ ☼